OPEN ACCESS
ACTA ISLAMICA
ISSN (Print): 2411-7315
ISSN (Online): 2791-0067
https://aisbbu.com/

ریاست دیر کے دستور العمل کا شریعتِ اسلامی کے ساتھ تضاد کا ایک تجزیاتی مطالعہ

An analytical study of Contradictions between Islamic Law and Constitutional Articles in the State of Dir

Mr.Hassan Zaib
Ph.D Scholar Department of Pashto, Bacha Khan University, KP. / Pay bill Assistant at Shaheed Benazir Bhutto University, Sheringal, Dir Upper.
hassanzaib@sbbu.edu.pk

Abstract:

This research article investigates the compatibility of the Constitution of the State of Dir with Islamic law, uncovering significant discrepancies between the two. Through an extensive analysis of the Constitution of the State of Dir and Islamic law, the study identifies specific articles that conflict with fundamental principles of Islamic Law. The findings indicate that despite the State of Dir being nominally a Shariah state, numerous un-Islamic practices were observed. Moreover, the lack of academic scrutiny on this subject highlights the need for further research. This study provides a foundation for researchers to explore why states, such as the State of Dir, fail in aligning their constitutional provisions with Islamic principles. Additionally, this work serves as a base study for those, interested in conducting historical and academic research on history of Dir's state and Nawab of Dir, thereby contributing to a deeper understanding of the region's legal and political evolution.

Keywords: *State of Dir, Constitution, Contradiction, Islamic Law, Human Rights Violation, Nawab of Dir, History of Dir*.

ریاست دیر کا تعارف:

دیر کی ریاستی حیثیت ۱۹۶۷ء تک قائم رہی جسکی آخری نواب شاہ خسرو تھے۔ نواب شاہ خسرو کے خاندان نے اسی ریاست پر تین سو بارہ سال یعنی ۱۶۴۰ء تا ۱۹۶۷ء تک حکمرانی کی جس کی ابتداء اخون الیاس سے ہوئی تھی۔ اس دوران پانچ سال کیلئے عمرا خان بھی بر سر اقتدار رہے تھے۔ نواب شاہ خسرو کے بعد دیر کی ریاستی حثیت ختم کردی گئی اور دیر کو پاکستان کا حصہ بنایا گیا ۔[1]

ریاست دیر کی حکمران کو نواب کہا جاتا تھا اور یہ خطاب انگریز سامراج کے طرف سے حکمران دیر (نواب محمد شریف خان) کو ۱۲ دسمبر ۱۸۹۷ء بمقام چکدرہ ایک بڑی تقریب کے دوران دیا گیا تھا۔[2]

نواب شاہ خسرو کے دور میں اظہار رائے پر نسبتاً زیادہ پابندی نہیں تھی اسلئے ریاست کے عوام نے نواب کے خلاف جلسے جلوس شروع کئے۔ ۱۵ اپریل ۱۹۶۷ء کو بمقام تیمر گرہ ایک عظیم الشان جلسے کا انعقاد کیا گیا اور اسی جلسے کے نتیجے میں بمورخہ ۱۰ جون ۱۹۶۷ء کو نواب شاہ خسرو کو اقتدار سے ہٹا کر دیر کی ریاستی حثیت ختم کر دی گئی۔ پہلے دیر کو ایجنسی کی حثیت دی گئی اور باقاعدہ پولیٹیکل ایجنٹ کی تعیناتی کی گئی مگر ۱۹۶۹ء میں دیر کو ضلع قرار دیا گیا۔[3]

ریاست دیر کا دستور العمل:

منظم زندگی گزارنے کیلئے ریاستی نظام میں کچھ ضابطے اور اصول ہوتے ہیں جسکو قانون کہا جاتا ہے۔ یہ اصول ریاست کے تقاضوں کو ذہین میں رکھ کر وضع کئے جاتے ہیں۔ نظام کو چلانے کیلئے انہی قوانین کو پھر لاگو بھی کیا جاتا ہے۔ اسطرح عوام میں افراط و تفریط بھی ختم ہو جاتی ہے اور تمام ادارے بھی اپنی دائرہ اختیار میں رہ

CC BY

کر کام کرتے ہیں۔[4]

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ کسی بھی ریاست کو چلانے کیلئے ایک مکمل ائین و قانون کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ریاست دیر بھی ایک قانون کی تحت چلایا جاتا تھا۔ ریاست دیر کی تحریری ائین کو "دستور العمل ریاست دیر" کہا جاتا تھا۔ اسی دستور العمل کی تمہید میں لکھا گیا ہے کہ:

اقوام اپنی قومی روایات کے مطابق اپنے سماجی معاملات چلاتے ہیں اور اسی طرح ریاست دیر بھی اپنے قومی روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے معاملات چلاتے ہیں۔ نواب محمد اورنگزیب کے دور کے قومی اکابرین کی ایک جرگہ بنائی گئی جس نے سابقہ رواج پر نظر ثانی کی اور اتفاق رائے سے ایک تحریری دستور العمل بنایا۔ نواب محمد شاہ جہان کے دور میں اسی دستور العمل میں کچھ ترمیمات بھی کی گئی۔ آج چونکہ نیا دور ہے تو اسی دستور العمل کو اس دور کے تقاضوں کے مطابق مفصل اور شق دار کیا جاتا ہے البتہ بنیادی اصولوں میں کسی بھی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔ دستور العمل ۲۵ جنوری ۱۹۶۳ء کو مشاورتی کونسل کے سامنے پیش کیا گیا اور کافی بحث مباحثے اور ترمیمات کے بعد متفقہ طور پر پاس کیا گیا۔[5]

تمہید کی ان سطور سے واضح ہو جاتا ہے کہ نواب شاہ خسرو نے آئین میں ضروری اصلاحات کی تھی اور پرانے دور کے فرسودہ دفعات کو ترمیم کر کے مہذب اور جدید دور کے مطابق بنائے تھے۔ اس بات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نواب مذکورہ کے دور سے پہلے اس آئین میں چند ایسے قوانین بھی شامل تھے جو کہ انسانی حقوق اور اسلامی شریعت کی منافی تھے۔ اس مطالعے میں نواب شاہ خسرو کے ترمیم شدہ آئین پر بحث کی جائیگی۔

ریاست دیر کے عدالتی نظام کے حوالے سے سلیمان شاہد نے لکھا ہے:

پشاور تا لواری تمام علاقے ۱۵۲۳ء میں یوسفزئی قبیلے کے قبضے میں آ گئے اور انہوں نے بمقام کاٹلنگ تمام پختون سرداروں کا ایک اجلاس بلایا جہاں ایک تحریری قانون پاس کیا گیا جو کہ شیخ ملی کی دفتر کے نام سے جانا جاتا تھا۔ دفتر میں کچھ قوانین بہت دلچسپ تھے جیسا کہ نماز نہ پڑھنے والے کا منہ کالا کرنا، چور کو گدھے پر بٹھانا، گھر سے بھاگی عورت کا سر منڈوانا وغیرہ۔ یہی قوانین ۱۸۸۰ء تک ریاست دیر میں بھی رائج تھی۔ عمرا خان نے اقتدار میں آکر شریعت کا قانون نافذ کیا جو کہ نواب محمد شریف خان اور نواب محمد اورنگزیب کے دور تک نافذ العمل تھا۔ بعد میں نواب محمد اورنگزیب کے دور میں ریاست دیر کیلئے ایک تحریری قانون منظور کیا گیا۔ نواب محمد شاہ جہان نے اقتدار میں آکر عدالتی فیصلوں کا اختیار تحصیلدار کو دے دیا معاملات کو بذریعہ قاضی حل کرتے تھے۔ عدالت عالیہ نواب اور قاضی القضاۃ چلاتے تھے۔ قاضی القضاۃ اسلامی فقہ کے ماہر تھے اور دیوانی اور فوجدار مقدمات کو حل کر سکتے تھے۔ فریقین کو اختیار تھا کہ وہ فیصلہ بروئے شریعت یا رواج کرے۔[6]

چونکہ پختون قوم کی زیادہ تر روایات اسلامی شریعت کے مطابق ہیں اور مذکورہ دستور العمل میں جگہ جگہ اشارے بھی دئے گئے ہیں کہ فیصلہ شریعت کی رو سے ہو جائے گا۔ کچھ دفعات تو شریعت اسلامی کی عین مطابق ہیں۔ ریاست کا قاضی القضاۃ ایک مذہبی عالم ہوا کرتا تھا جو کہ شریعت کے علم سے بخوبی واقف تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دستور العمل جزوی طور پر اسلامی شرعی تھا۔ گمنام ریاست میں نواب شاہ جہان کے دور کے قاضی القضاۃ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ:

جڑجوڑئی مولوی صاحب کا اصلی نام مفتاح الدین تھا اور انکی حثیت ریاست کی چیف جسٹس کی تھی۔ وہ پیچیدہ مسائل کے حل کرنے میں نواب کے معاون خاص تھے۔[7]

اس جزوی شرعی دستور کے کچھ دفعات کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو وہ اسلامی شریعت اور بنیادی انسانی حقوق کے بالکل برعکس ہیں۔ اس حوالے سے سلیمان شاہد لکھتے ہیں کہ:

ریاست سوات کا عدالتی نظام بہ نسبت دیر قدرے بہتر تھا کیونکہ دیر میں حقوق نسواں کا بالکل فقدان تھا۔ نظام شرعی کے آڑ میں حکومت نے ذاتی مخالفین کو دبایا تھا۔ لوگوں کی جائدادیں ضبط کئے جاتے اور انہیں علاقہ چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا۔[8]

شریعت نے خواتین کو تمام جائز حقوق دیئے ہیں مگر ریاست دیر نے ہمیشہ خواتین کے حقوق سے انکار کیا ہے۔ اور بقول سلیمان شاہد:

جس ریاست میں چکور کی شکار ممنوع تھی وہاں عورت کو غیرت کے نام پر قتل کرنا سب سے آسان کام تھا۔ اس طرح کا کوئی کیس اگر نواب کے سامنے پیش کیا جاتا تو نواب بطور دلیل کہتا "پختون کبھی بھی خود پر جھوٹا الزام نہیں لگاتا ہے"۔ عورت کو اجازت نہیں تھی کہ وہ کسی کے خلاف کسی بھی قسم کا شکایت کرے۔

تحصیلدار بلا مبٹ کے اجازت کے بغیر کوئی بھی خاتون ریاست سے باہر کا سفر نہیں کر سکتی تھی اور واپسی پر چکدرہ پھاٹک پر اپنا اجازت نامہ دکھا کر داخل ریاست ہو سکتی تھی۔ نواب اپنے کرتوت چھپانے کے خاطر خواتین کو انکی حقوق نہیں دیتا تھا اور محل میں کئی خواتین کو قید کر کے رکھتا تھا۔[9]

دستور العمل ریاست دیر کے متصادم شریعت دفعات:

دستور العمل ریاست دیر کے کل دفعات کی تعداد ۱۷۳ ہیں۔ ان میں سے کچھ دفعات مکمل اسلامی شرعی ہیں۔ کچھ دفعات پختون اور قبائلی رسم و رواج کے مطابق ہیں۔ ان دفعات میں چند ایسے بھی ہیں جو کہ اسلامی شریعت سے متصادم ہیں اور بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ہیں۔ یہاں کچھ دفعات کا قرآن وحدیث کے روشنی میں جائزہ لیا جاتا ہے۔

"دفعہ ۴: ریاست دیر کے جن اقوام پر تاحال ریاستی قانون حاوی نہیں۔ ان اقوام کے متعلق اب بھی سابقہ پالیسی عمل پذیر ہو گی" ۔[10]

قومی سطح پر امتیاز رکھنا ریاست دیر میں ایک معمول تھا۔ کچھ اقوام ایسے تھے جو کہ ان ریاستی قوانین سے مستثنیٰ تھے۔ نواب شاہ جہان کے دور میں اقوام سلطان خیل و پائندہ خیل پر دست قانون نرم تھا۔ انکو اختیار حاصل تھا کہ اپنے علاقائی مسائل کو بذریعہ مشران خود نمٹائے۔ کچھ علاقوں جیسا کہ میدان، جندول اور ادینزئی کیلئے قانون سخت تھا۔ اس دوغلی پالیسی سے پتہ چلتا ہے کہ شریعت محض برائے نام تھا۔ انتظامی افسران بھی قانون سے بالاتر تھے۔ کسی خان، ملک، تحصیلدار کے خلاف کوئی شکایت قابل قبول نہیں تھی۔ اگر کوئی افیسر کسی کو مارتا تو انکی ورثاء کو قصاص کا حق نہیں دیا جاتا تھا۔[11]

نواب شاہ خسرو نے وہی پرانی پالیسی برقرار رکھتے ہوئے اس ظالمانہ اور غیر منصفانہ قانون میں کوئی اصلاح نہیں کی۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے چوری کی جو قریش کے بنی مخزم سے تھی۔ رسول اکرم ﷺ کے پاس مقدمہ لایا گیا تو اسامہ بن زید نے سفارش کی۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ یہ بنی اسرائیل کی خصوصیت تھی کہ جب کوئی معزز شخص چوری کرتا تھا تو معاف کیا جاتا تھا اور جب ایک عام شخص اسطرح کرتا تو انکو سزا دی جاتی۔ خدا کی قسم اگر یہ چوری میری بیٹی فاطمہ بھی کرتی تو میں انکی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔[12]

قریش کی ایک عورت نے چوری کی اور پھر اس نے ام سلمیٰ کے ہاں پناہ لی۔ نبی اکرم نے انکی ہاتھ کاٹ ڈالی اور فرمایا کہ اگر یہی فعل فاطمہ بھی کرتی تو میں انکی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔[13]

اس ضمن میں کئی اور احادیث بھی موجود ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی بھی فرد قانون سے بالاتر نہیں۔ جب نبی اپنی بیٹی کیلئے قانون اور شریعت میں کوئی نرمی نہیں کر سکتا ہے تو پھر اور کوئی قانون سے مستثنیٰ کیسے ہو سکتا ہے۔ اسطرح کا امتیاز رکھنا نہ صرف اسلامی شریعت کے رو سے غلط ہے بلکہ دوسرے مذاہب میں بھی ممانعت ہے۔ دستور العمل ریاست دیر کا یہ دفعہ برعکس شریعت اور بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ہے۔ اس طرح کا غیر شرعی اور غیر منصفانہ رویہ رکھنا نواب دیر کے اقتدار بچانے کے خاطر تھا۔ اگر وہ ریاست کے طاقتور اقوام کو یہ مراعات نہیں دیتا تھا تو انکی اقتدار کو خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔

"دفعہ ۵: وراثت کے متعلق مقدمات مطابق قانون شریعت فیصلہ ہونگے۔ بشرطیکہ مورث کی وصیت موجود نہ ہو۔ ورنہ وصیت ہی کی موافق عمل کیا جائے گا اور وصیت نامہ نامہ کی موجودگی میں فیصلہ کی ضرورت نہیں رہے گی۔ وصیت نامہ کیلئے ضروری ہے کہ متعلقہ تحصیلدار سے تصدیق کردہ ہو۔ عورت کے متعلق میراث کا معاملہ دفعہ ہٰذ سے مستثنیٰ ہے۔"[14]

یہاں بیان کیا گیا ہے کہ کسی بھی فوت شدہ شخص کے چھوڑے گئے مال کو ورثاء میں شریعت کے مطابق تقسیم کیا جائے گا مگر شرط یہ رکھی گئی ہے کہ اگر متوفی نے کوئی وصیت چھوڑی ہو تو پر اسی پر عمل کیا جائے گا۔ حالانکہ اس ضمن میں شریعت کے صریح اصول موجود ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر ایک صحابی بہت زیادہ بیمار ہو گئے او عین قریب الموت ہو گئے۔ انہوں نے نبیؐ سے پوچا کہ کیا میں اپنے مال کا دو تہائی حصہ خیرات کروں کیونکہ ایک بیٹی کے علاوہ میرا کوئی دوسرا وارث نہیں ہے تو نبیؐ نے کہا کہ نہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ ادھا حصہ مگر پھر بھی انکو نہیں میں جواب ملا۔ جب اس نے ایک تہائی مال کے بارے میں پوچھا تو نبی ﷺ نے رضامندی ظاہر کی۔ پھر اسے فرمایا گیا کہ اپنے بچوں کو کیسی کی محتاج بنانے کے بجائے بہتر ہے کہ انہیں مالدار بنایا جائے۔

اس طرح تجھے ہر ایک خرچ پر ثواب بھی ملے گا۔[15]

بخاری کی اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بھی شخص اسکی چھوڑے گئے مال میں سے صرف ایک تہائی حصہ خیرات کرنے کا مجاز ہے یا صرف ایک تہائی کے لئے کوئی وصیت کر سکتا ہے باقی دو حصے ورثاء کی حق ہے جس کی تقسیم شریعت کی مطابق کی جائیگی۔ دستور العمل میں لکھا گیا قانون شریعت کی اصولوں سے متصادم ہے کیونکہ وصیت کی صورت میں شریعت کے احکامات پر عمل نہیں کیا جاتا تھا۔

"دفعہ ۱۰: شادی کی متعلق نسبت کا رواج دفعہ ۹ سے مستثنیٰ ہوگا اور کسی مرد سے منسوب ہونے کا جو رواج قدیم سے جاری ہے وہ اب بھی جاری ہوگا البتہ نسبت کے رواجی پہلو کا ثابت کرنا ضروری ہوگا۔"[16]

نسبت اس زمانے کا ایک قبائلی رواج تھا جو کہ اب بھی کچھ علاقوں میں جزوی طور پر پایا جاتا تھا۔اس رواج کے تحت ایک شخص جو کسی لڑکی کا ولی ہوتا، لڑکی کو کسی مرد سے منسوب کرتا تھا اور پھر ان پر لازم ہو جاتا کہ اپنے وعدے کی پاسداری کرے اور لڑکی کا نکاح اس مرد کے ساتھ کرے۔ حالانکہ شریعت اور دوسرے مذاہب کے قوانین میں اسطرح کرنا بالکل بھی جائز نہیں ہے۔ اسلامی شریعت کے رو سے کسی لڑکی کو کسی کی نکاح میں دینے کیلئے لڑکی کی رضامندی ضروری ہے۔ اگر کسی باپ یا ولی نے لڑکی کی رضامندی کی بغیر انکی نکاح کر ڈالی اور منکوحہ اسکی خلاف آواز اٹھائے تو وہ نکاح باطل قرار دی جائیگی۔ نسبت کے اس رسم میں کبھی کبھار اس لڑکی کو بھی منسوب کیا جاتا تھا جس کی ابھی پیدائش بھی نہیں ہوگئی ہو مگر اسکا والد وعدہ کرتا کہ اگر میری بیٹی پیدا ہو جائے تو میں اسکی نکاح فلاں بیٹے یا کسی دوسرے رشتہ دار سے کرواوں گا۔اس سلسلے میں ذیل احادیث کا جائزہ لیتے ہیں:

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک ایک بیوہ اجازت نہ دے تب تک اسکی نکاح نہ کرے۔ اسطرح کا حکم کنواری لڑکی کیلئے بھی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اگر کنواری خاموش رہی تو؟ ارشاد ہوا کہ اسکی خاموشی اسکی رضامندی ہے۔[17]

ایک ثیبہ خاتون کی دوسری نکاح اسکی والد نے کر دیا تھا مگر وہ اس نکاح سے ناراض تھی۔ وہ نبی ﷺ کی پاس آئی وہ انکی نکاح کو فسخ کر دیا گیا۔[18]

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے کہ نکاح کیلئے لڑکی کی رضامندی ضروری ہے۔ نسبت کا کوئی شرعی حثیت نہیں ہے بلکہ بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ایک فعل ہے۔ کسی بھی انسان کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ کسی دوسرے کی زندگی کا فیصلہ اپنے مرضی سے کرے۔ نسبت تو صرف ولی کا ایک وعدہ ہے چاہے نکاح ہو گیا ہو تب بھی اسکو باطل قرار دیا جائے گا۔ نسبت کا یہ طریقہ چونکہ اس وقت کے قبائلی رواج کے مطابق تھا مگر ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے دستور میں ان قبائلی رواجوں کو جگہ نہ دے جو بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہو اور اسطرح اسلامی ریاست کی فرض بنتی ہے کہ وہ ایسے روایات کو بلکل ختم کرے جو شریعت کی متصادم ہو۔

"دفعہ ۱۶: مطلقہ عورت کو صرف اس کی زیورات اور کپڑے جو اسکو اسکی والد یا شوہر کی طرف سے ملی ہو، دئے جائینگے۔ دوسری کسی چیز کے لینے کی وہ موافق رواج سابق مجاز نہیں ہوگی۔ بنیادی جمہوریت کی ممبران کو چاہئے کہ وہ عورتوں کے متعلق تمام معاملات کو شرعی سطح پر لانے کیلئے رائے عامہ ہموار کرانے کی کوشش کریں"۔[19]

اس ضمن میں قران نے مندرجہ ذیل احکامات جاری کی ہیں:

اگر تم اپنی بیویوں کو اس وقت طلاق دو گے جب تم نے کوئی مہر مقرر نہیں کی ہے اور نہ انکو ہاتھ لگایا ہے تو تم پر لازم نہیں ہے کہ تم انکو حق مہر دے دیں۔ اگر تم نے مہر مقرر کیا ہے اور ہاتھ لگانے سے پہلے انکو طلاق دیتے ہو تو تم پر لازم ہے کہ نصف مہر انکو دے دیں۔ ہاں اگر عورت اپنی مرضی سے مہر معاف کر دیں یا خاوند اپنے مرضی سے پورا مہر ادا کرے تو کوئی مضاعقہ نہیں۔[20]

ان آیات کی مزید وضاحت کر کے معارف القران نے لکھا ہے:

طلاق کی صورت میں مہر کی ادائیگی کیلئے چار صورتیں ہیں جس میں دو قران میں ذکر ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ نہ مہر مقرر کیا گیا ہے اور نہ دخول ہو چکا ہے۔ اسی صورت میں مرد کو چاہئے کہ عورت کو اپنے طرف سے کچھ نہ کچھ ضرور دے، کم از کم ایک جوڑا کپڑا تو دیں دے۔ اس صورت میں عطیہ کی کوئی مقدار متعین نہیں کی

ہے مگر مالدار پر لازم ہے کہ اپنے استطاعت کے مطابق زیادہ دیں دے۔ دوسری یہ کہ مہر تو مقرر ہو چکا ہے مگر دخول نہیں ہوا ہے تو اسی صورت حق مہر کا نصف دینا لازم ہے البتہ اگر عورت چاہے تو معاف کر سکتی ہے اور اگر خاوند چاہے تو پورا مہر ادا کر سکتا ہے۔ تیسرا وہ کہ مہر بھی مقرر ہوا ہے اور دخول بھی ہوا ہے تو اسی صورت میں شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کو پورا مہر ادا کرے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ دخول ہوا ہے مگر مہر مقرر نہیں کیا گیا ہے تو اسی صورت میں شوہر پر لازم ہے کہ بیوی کو اتنا کچھ بطور مہر دیں دے جتنا کہ عورت کی خاندان میں پہلے سے رواج ہے۔[21]

مندرجہ بالا آیات اور تفسیر کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر بیوی کا مہر مقرر کیا گیا ہوں اور صحبت بھی ہو گئی ہو تو خاوند پر لازم ہے کہ انکو طلاق دیتے وقت پورا حق مہر ادا کرے۔ یہاں دستور العمل میں عورت کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ صرف اپنے ساتھ وہ زیورات اور کپڑے لے جا سکتی ہے جو کہ انکو اپنے والد یا شوہر کے طرف سے دئے گئے ہو۔ اسطرح کا عمل کرنا عورت کو طلاق کے وقت حق مہر سے محروم کرتی ہے جو کہ ایک غیر مناسب عمل ہے اور شرعی تصادم کے ساتھ ساتھ بنیادی انسانی حقوق کی بھی منافی ہے۔

"دفعہ ۳۹: عورتوں کی بدنامی پر قتل کا ارتکاب قانونا قابل مواخذہ نہیں ہے البتہ اگر ایسے شواہد موجود ہو جن کے پیش نظر قتل کا ارتکاب کسی دیگر انتقامی جذبے یا دوسرے مفروضہ حالات کے تحت کیا گیا ہو اور مقتول کا وارث قتل کے ناجائز ارتکاب کے خلاف استغاثہ کرے تو فیصلہ بذریعہ جرگہ کیا جائے گا"۔[22]

پہلے قران وحدیث کی روشنی میں زنا کی متعلق سزا اور اسکا طریقہ کار دیکھتے ہیں:

جو لوگ پاکدامن وعورت پر زنا کا الزام لگائے اور پھر چار گواہ پیش نہ کرے تو انکو اسی کوڑے لگائے اور انکی گواہی کبھی قبول نہ کرے کیونکہ وہ فاسق ہیں۔[23]

اس ایت کی مزید تشریح اور تفسیر میں معارف القران نے لکھا ہے:

وہ لوگ جو زنا کا الزام لگائے اور پھر گواہ کو پیش نہ کر سکے انکو اسی کوڑے مارنے کی سزا دیا جائے اور ائیندہ کیلئے اسکی کوئی بھی گواہی قبول نہ کیا جائے کیونکہ اس نے تہمت لگا کر خدا کی نافرمانی کی ہے۔ چونکہ زنا ایک بڑی گناہ ہے اسلئے اسکی سزا بھی سخت ہے۔ اسی سخت سزا کے وجہ سے اس کی ثبوت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے کہ کوئی بندہ کسی پر جھوٹا الزام لگا کر اتنی بڑی سزا کا مستحق ثابت نہ کرے۔ زنا کے الزام کو ثابت کرنے کیلئے چار مرد گواہوں کا ہونا لازم ہے اور جھوٹے تہمت لگانے والے کیلئے اسی کوڑے مارنے کی سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ دراصل گواہی کی یہ شرائط زنا کی حد شرعی یعنی سو کوڑے مارنے یا سنگسار کرنے کیلئے ہیں۔ ویسے دو غیر محرم مرد اور عورت کو ایک ساتھ قابل اعتراض حالت یا بے حیائی کی باتیں کرتے دیکھ کر گواہی دینا کوئی جرم نہیں ہے جسکی لئے زنا کی حد یعنی سو کوڑے مارنا یا سنگسار کرنا نہیں ہے بلکہ قاضی وقت انکو مناسب سزا دے سکتا ہے۔[24]

زنا کرنے والے مرد وعورت میں سے دونوں کو سو سو کوڑے ماریں اور اگر تم ایمان والے ہوں تو اس معاملے میں ان پر کوئی ترس نہیں کھانا۔ اسی سزا کو دیتے وقت کچھ مسلمانوں کا موجود ہونا ضروری ہے تاکہ لوگوں کو نصیحت مل سکے۔[25]

اس آیت پر معارف القران میں مزید تبصرہ کیا گیا ہے:

قران کریم نے چار گناہوں کی سزا خود مقرر کی ہے اور یہ کام قاضی یا امیر پر نہیں چھوڑا ہے جس میں ایک زنا ہے۔ اسی سزاوں کو حدود کہا جاتا ہے۔ باقی جو سزائیں امیر یا قاضی کی رائے اور جرم کی نوعیت پر دی جاتی ہے اسے تعزیرات کہا جاتا ہے۔ زنا ایک عظیم گناہ ہے اسلئے اسکی سزا بھی بہت سخت ہے۔ زنا کی سزا کے احکام بتدریج ائے ہیں اور شدت کے طرف بڑھتے گئے ہیں۔ سورہ النساء میں ارشاد ہے کہ جو عورت زنا کرے اور اس پر چار گواہ پیش ہو تو انکو گھروں میں تب تک بند کریں کہ یا تو وہ مر جائے اور یا پا اللہ انکے لئے کوئی راہ مقرر کرے، اگر مرد زنا کرے اور گواہ پیش ہو جائے تو ان کو اتنا اذیت دے دیں کہ وہ نادم ہو جائے اور اپنا اصلاح کرے۔ بعد میں سورہ نور کی مذکورہ ایت نازل ہو گئی تو پتہ چلا کہ یہ وہ راہ ہے جسکا سورہ النساء میں وعدہ کیا گیا تھا۔ شادی شدہ کیلئے رجم اور غیر شادی شدہ کیلئے سو کوڑے مارنے کی دلیل احادیث سے ملتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس زنا کا ایک کیس لایا گیا جو کہ ایک غیر شادی شدہ ملازم نے اپنے شادی شدہ مالکن کیساتھ زنا کیا تھا۔ دونوں اعتراف کرکے جرم کو ثابت کر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم دونوں کو اللہ کی قانون کی تحت سزا دوں گا۔ پھر حکم ہوا کہ کہ مرد غیر شادی شدہ ہے تو اسکو سو

کوڑے مارے جائے اور عورت شادی شدہ ہے تو اسکو سنگسار کیا جائے۔[26]

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر ایک کنیز زنا کرے اور وہ جو غیر شادی شدہ ہو تو کیا سزا ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انکو کوڑے مارو، اگر وہ پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو، اگر پھر زنا کرے پھر کوڑے ماروں اور انکو بیچ دو۔[27]

مندرجہ بالا احکامات کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں زنا کی سزا کیلئے ایک خاص طریقہ کار موجود ہے۔ سب سے پہلے ثابت کرنا ہے کہ زنا ہو چکی ہے یا نہیں۔ اسکے لئے چار گواہوں کو پیش کرنا ضروری ہیں۔ کسی پر الزام لگا کر زانی ثابت کرنا خود ایک بڑی گناہ ہے جسکی سزا بھی ذکر ہو چکی ہے۔ دستور العمل ریاست دیر میں زنا کے الزام کو ثابت کرنے کیلئے نہ کوئی طریقہ کار تھا اور نہ کسی گواہ کی ضرورت تھی۔ اس طرح بہت سے لوگ اس امر سے فائدہ اٹھا کر اپنے ذاتی عناد اور بغض کے بنیاد پر بے گناہ انسانوں کو بلا کسی خوف و خطر قتل کرتے تھے اور اپنے جرم کو زنا کے کھاتے میں ڈال بر الذمہ ہو جاتے تھے۔ کسی کو خود اپنی مرضی سے زنا کے جرم میں قتل کرنا قران و حدیث کی احکامات سے متصادم ہے۔ اسطرح کا قانون بنانا اور اس پر عمل کرنا بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ہے اور معاشرے میں مزید بگاڑ اور فساد پھیلانے میں معاون ہے۔ دوسری بڑی غلطی او متصادم شریعت عمل زانی کو قتل کرنا تھا جسکے لئے قران و حدیث نے باقاعدہ سزا متعین کی ہے جو کہ شادی شدہ کیلئے سزائے موت ہے مگر اسکا طریقہ کار رجم ہے اور غیر شادی شدہ کیلئے سو کوڑے ہیں چاہے وہ مر جائے یا زندہ بچ جائے۔ اسطرح کا اندھا قانون بنانا اور اسکو ماننا اس وقت کے مذہبی علماء اور قاضیوں کے علم اور کردار پر شک پیدا کرتا ہے۔

خلاصہ / نتیجہ:

مندرجہ بالا مطالعہ سے معلوم ہوا کہ ریاست دیر کا ایک تحریری دستور العمل موجود تھا جو کہ نواب محمد اورنگزیب کے دور میں بنا تھا اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں ترامیم کیا جاتے تھے۔ ریاست دیر کے آخری نواب شاہ خسرو کے دور میں مشاورتی کمیٹی نے اسی قانون میں کچھ ضروری ترامیم کر کے پیش کیا اور نواب دیر نے منظور کیا۔ عام رعایا میں یہ بات مشہور کی گئی تھی کہ ریاست دیر کے تمام ترفیصلے قران و سنت کے تحت کئے جاتے ہیں مگر بیچ میں کچھ غیر شرعی اور غیر انسانی دفعات بھی دستور العمل کے مندرجات میں شامل تھے جو کہ کھلم کھلا بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کرتے تھے۔ خصوصاً حقوق نسواں کا تو کوئی تصور ہی نہیں تھا اور خواتین کی ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک ہو رہا تھا۔

اس ظالمانہ قانون کو نافذ کرنے کا ایک وجہ شخصی طرز حکومت تھا جس میں تمام فیصلے فرد واحد کے خواہش کے مطابق ہوتے تھے اور عوام کی بنیادی حقوق کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی تھی۔ اس طرح کے طرز حکومت میں حکومت کے دوسرے الہ کار بھی ان فیصلوں کو قبول کرتے ہیں اور عوام پر لاگو کرنے میں مدد دیتے ہیں تا کہ خود کو حاکم وقت کے تابعدار اور وفادار ثابت کر سکے۔ دوسری وجہ فرسودہ قبائلی رسوم ہوتی ہے جو نسل در نسل چلی آرہی تھی اور اس میں اصلاحات کرنے کیلئے کسی کی سرپرستی موجود نہیں ہوتی ہے۔ حکومت وقت کو اس ظالمانہ نظام کے برقرار رکھنے میں علماء وقت اور قاضیوں کی بھرپور حمایت حاصل تھا جو کہ اپنے مراعات بچانے کے خاطر شریعت اور حقوق انسانی کو پامال کرتے تھے۔ اس مطالعے کے نتیجے میں ثابت ہو سکتا ہے کہ قبائلی ریاستوں کے ناکامی کی وجوہات میں عوام کے بنیادی حقوق کی پامالی بھی شامل ہے۔ اس مطالعے کی مدد سے ریاست دیر کے تاریخ پر کام کرنے والے محققین کو مدد فراہم ہو گی۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات(References)

[1] سلیمان شاہد، گمنام ریاست (حصہ دوم)، اشاعت دوم، ۲۰ جولائی، ۲۰۱۰، ص: ۱۳

Suliman Shahid, Gumnam Reyasat, (Hissa doom), Eshaat doom, 20 July, 2010, safha:13

[2] ایضاً، ص: ۱۸

Ezaan, safha:18

[۳] ایضاً، ص: ۱۶۲

Ezaan, safha:162

[٤] فیاض احمد فاروقی اور ڈاکٹر رضیہ شبانہ، ڈاکٹر محمود احمد غازی کے نظریہ ریاست و سیاست کا تجزیاتی مطالعہ، مقالہ، مشمولہ، ایکٹااسلامیکا، جلد: ۷، شمارہ: ۱، جنوری-جون، ۲۰۱۹، ص: ۵۴

Fayaz Ahmad Farooqi awr Dr. Razia Shabana, Dr Mehmood Ahmad Ghamdi ky nazrya-e-ryasath wa syasat ka tajzyati mutalia, maqala, mashmoola, Acta Islamica, jild:7, shemara:1, January-June, 2019, Safha, 54

[٥] دستور العمل ریاست دیر، ترتیب وتدوین، گل احمد وردگ، نومبر، ۲۰۲۳، ص: ۱۵

Dastoor ul Amal Reyasat-e-Dir, tarteeb wa tadween, Gul Ahmad Wardag, November, 2023, Safha:15

[٦] سلیمان شاہد، گمنام ریاست (حصہ دوم)، اشاعت دوم، ۲۰ جولائی، ۲۰۱۰، ص: ۳۹

Suliman Shahid, Gumnam Reyasat, (Hissa doom), Eshaat doom, 20 July, 2010, safha:39

[٧] ایضاً، ص: ۳۲

Ezaan, safha: 32

[٨] ایضاً، حاشیہ، ص: ۴۰

Ezaan, hashya, safha;40

[٩] ایضاً، ص: ۴۲-۴۳

Ezaan, safha: 42-43

[١٠] دستور العمل ریاست دیر، ترتیب وتدوین، گل احمد وردگ، نومبر، ۲۰۲۳، ص: ۱۸

Dastoor ul Amal Reyasat-e-Dir, tarteeb wa tadween, Gul Ahmad Wardag, November, 2023, Safha:18

[١١] سلیمان شاہد، گمنام ریاست (حصہ دوم)، اشاعت دوم، ۲۰ جولائی، ۲۰۱۰، حاشیہ، ص: ۴۱-۴۳

Suliman Shahid, Gumnam Reyasat, (Hissa doom), Eshaat doom, 20 July, 2010, safha:41-43

[١٢] احمد ابن شعیب، النسائی، سنن نسائی، جلد، ۳، کتاب سرقہ، کتاب الحدود، حدیث نمبر: ۴۹۰۰

Ahmad ebni Shuib, alnisayi, sunan Nisayi, Jild, 3, Kitab-e-Surqa, Kitab ul Hodood, Hadith No:4900

[١٣] ایضاً، حدیث نمبر: ۴۸۹۱

Ezaan, Hadith No:4891

[١٤] دستور العمل ریاست دیر، ترتیب وتدوین، گل احمد وردگ، نومبر، ۲۰۲۳، ص: ۱۹

Dastoor ul Amal Reyasat-e-Dir, tarteeb wa tadween, Gul Ahmad Wardag, November, 2023, Safha:18

[١٥] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب، جنازے کے احکام ومسائل، جلد دوم، حدیث نمبر: ۱۲۹۵

Bukhari, Muhammad bin Ismail, Saheh Bukhari, Kitab: Janazy ki Ahkam wa masail, Jild doom, Hadith No:1295

[١٦] دستور العمل ریاست دیر، ترتیب وتدوین، گل احمد وردگ، نومبر، ۲۰۲۳، ص: ۲۰

Dastoor ul Amal Reyasat-e-Dir, tarteeb wa tadween, Gul Ahmad Wardag, November, 2023, Safha:20

[١٧] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، جلد ۶، حدیث نمبر: ۵۱۳۷

Bukhari, Muhammad bin Ismail, Saheh Bukhari, Kitab, Jild doom, Hadith No:1295

[١٨] ایضاً، حدیث نمبر: ۵۱۳۸

Ezaan, Hadith No:4891

[١٩] دستور العمل ریاست دیر، ترتیب وتدوین، گل احمد وردگ، نومبر، ۲۰۲۳، ص: ۲۱

Dastoor ul Amal Reyasat-e-Dir, tarteeb wa tadween, Gul Ahmad Wardag, November, 2023, Safha:21

[٢٠] القران، سورہ البقرہ، آیت: ۲۳۶-۲۳۷

Al-Quran, Surah, Al-Baqara, Ayat:236-237

[21] محمد شفیع، مولانا مفتی، معارف القران، جلد: ۱، مکتبہ معارف القران، کراچی، ص: ۵۸۶-۵۸۸

Muhammad Shafi, Maulana Mufti, Maarif Ul Quran. Jild,1, Muktaba Maarif ul Quran, Karachi, Safha:586-588

[22] دستور العمل ریاست دیر، ترتیب وتدوین، گل احمد وردگ، نومبر، ۲۰۲۳، ص: ۲۷

Dastoor ul Amal Reyasat-e-Dir, tarteeb wa tadween, Gul Ahmad Wardag, November, 2023, Safha:27

[23] القران، سورہ النور، آیت: ۴

Al-Quran, Surah, Al-Noor, Ayat:4

[24] محمد شفیع، مولانا مفتی، معارف القران، جلد: ٦، مکتبہ معارف القران، کراچی، ص: ۳۵۳-۳۵٦

Muhammad Shafi, Maulana Mufti, Maarif Ul Quran. Jild,1, Muktaba Maarif ul Quran, Karachi, Safha:356-353

[25] القران، سورہ النور، آیت: ۲

Al-Quran, Surah, Al-Noor, Ayat:2

[26] محمد شفیع، مولانا مفتی، معارف القران، جلد: ٦، مکتبہ معارف القران، کراچی، ص: ۳۴۱-۳۴۹

Muhammad Shafi, Maulana Mufti, Maarif Ul Quran. Jild,1, Muktaba Maarif ul Quran, Karachi, Safha:341-341

[27] بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، جلد ۸، حدیث نمبر: ٦۸۳۸

Bukhari, Muhammad bin Ismail, Saheh Bukhari, Kitab, Jild doom, Hadith No:6838